علامہ محمد اقبال ستارہ بلند شرق اور ایران

فردوسی یونیورسٹی میں اقبال شناسی

Iqbal Studies in Firdowsi University of Mashad
Iran

ڈاکٹر محمد کیومرثی، صدر شعبہ اردو اور دوسری زبانیں، یونیورسٹی آف تہران، ایران

Dr.M Kioumars, Chairman dept. of Urdu
University of Tehran, Iran

Abstract

Thoughts and Ideologies of Iqbal have deep humanistic meanings. There is a great need of studies of his philosophical poetry. Although Iqbal never came to Iran but Iranian people have a great respect for him and they are proud of his thoughtful writings. Iqbal has idealized Iran as a land of culture and civilization. He wrote on literary intelligence and wisdom of Iranian philosophical tradition. There is a valuable tradition of Iqbal Studies in Iran. Many books and research papers have been written on thoughts and art of Iqbal. Scholars of Firdowsi University of Mashhad have contributed a lot in Iqbal studies.

Key words: Iqbal, Iran, Firdousi University, Iranian poetry,

Iqbal studies

کلیدی الفاظ: اقبال، ایران، فردوسی یونیورسٹی، ایرانی شعر، اقبال شناسی

اقبال کی رائے میں اعلیٰ مقاصد تک پہنچنے کا پہلا قدم یہ ہے کہ ان میں "خودی اور خود اعتمادی" کو مضبوط کرنا چاہیے اور چونکہ اس بات کا صرف برصغیر کے مسلمانوں سے نہیں بلکہ دنیا کے تمام مسلمانوں سے تعلق رکھتا ہے، اسی لیے تمام مسلمانوں کو مخاطب قرار دے دیا کہ ان چپقلشوں کی اصلاح کا راستہ اتفاق ہے۔ اقبال نے ایسے بڑے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کے لیے اردو زبان کو کافی دوائی نہیں پایا اور اس کی جگہ فارسی زبان کا انتخاب کیا اور سنہ 1915ء سے 1938ء تک اپنی اکثر منظوم تصانیف کو فارسی زبان میں لکھا تا کہ فارسی زبان کے

ذریعے مسلمانان عجم یعنی ہندوستان، ایران، افغانستان، ترکی کے مسلمان لوگوں کو اپنے پیغامات سے واقف کرا سکیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ اقبال نے اردو زبان کے بڑے فلسفی اور شاعر ہونے کی حیثیت سے ایران کو دیکھے بغیر فارسی زبان کا اپنے فلسفی، معاشرتی اور سیاسی خیالات کو بیان کرنے کے لیے انتخاب کیا تھا۔ اسی لیے ایرانی لوگ علامہ اقبال کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اقبال کے دور میں باوجودیکہ برطانوی نوآبادیاتی پالیسی کی وجہ سے انگریزی زبان کو پورے برصغیر میں فارسی زبان کی بجائے سرکاری زبان کے طور پر اعلان کیا گیا تھا، لیکن پھر بھی فارسی زبان عجم مسلمانوں کے لیے بہترین موصلاتی آلہ شمار کی جاتی تھی۔ اس بڑے اردو شاعر کے ذریعے بیسویں صدی کے پہلے پچاس سالوں میں ایران سے باہر فارسی زبان پر کافی رونق آگئی۔ اگرچہ اقبال اپنے خیالات کو بیان کرنے کے لیے اردو کی بجائے فارسی زبان کا استعمال کیا کرتے تھے۔

آپ ملاحظہ کرتے ہیں کہ متعدد اسلامی ممالک میں اقبال کے ذریعے فارسی زبان کا انتخاب بہت اہم تھا جس کے باعث ان ممالک میں فارسی زبان کا رواج ہو گیا۔ دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ علامہ اقبال فارسی کے علاوہ ایران کی تہذیب، عرفان اور تاریخ سے بھی بھرپور واقفیت رکھتے تھے۔ انہوں نے سنائی، عطار، مولانا جلال الدین، حافظ، سعدی عراقی اور شیخ محمود شبلی ستری جیسے بڑے اور معروف شعرا کے کلام کو غور سے پڑھا تھا جو اقبال کے اشعار کو پڑھے یہی سمجھے گا کہ اقبال نے کیسے ان بڑے فارسی شعرا سے اثر لیا ہے۔

اقبال ایرانی شعرا کے درمیان سب سے زیادہ صوفی شعرا کی پیروی کیا کرتے تھے، خاص طور پر جلال الدین مولوی (مولانا) اسی لیے انہوں نے "جاوید نامہ" میں مولانا جلال الدین کو اپنے رہنما بیان کر کے اپنے سوالات کو ان سے پوچھا ہے۔ اقبال، حافظ اور سعدی کی طرح وحدت وجود کا مخالف تھا۔ وہ اسے اسلامی دین و تہذیب کے لیے خطرہ خیال کرتے تھے۔ اقبال کے یہاں ذات باری کا تصور و احساس، اسلامی سلوک و احسان پر مبنی ہے جس کی رو سے خدا ماورا ہوتے ہوئے بھی انسان کے دل میں بر اجمان ہے اور دور ہوتے ہوئے بھی وہ قریب ہے۔ حافظ نے کہا تھا کہ جس طرح بندہ خدا کا محتاج ہے اسی طرح خدا بندے کا مشتاق ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ خدا انسان کی جستجو میں ہے۔ "زبور عجم" میں انہوں نے ایک پوری غزل اسی موضوع پر لکھی ہے۔ حافظ اور اقبال دونوں نے ذات باری تعالیٰ کی بندگی پر فخر کیا ہے۔ اقبال

نے حافظ کی طرح اپنے کلام میں فقر و استغنا کو سراہا ہے۔ مرد قلندر کی بے نیازی کی جھلک ان کی ذاتی سیرت میں بھی نمایاں تھی۔

علامہ اقبال کے کلام میں بھی ایمان اور عرفانی عواطف اور دین کی خوبصورت جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں۔ اقبال کا یہ خیال ہے کہ جو خدا پر بھروسہ رکھے تو کبھی اس کو دکھ نہیں ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ جو خدا کی شناخت صحیح طور پر حاصل کرے تو کبھی اس کو بیشی کمی کا دکھ نہیں ہوگا۔ یوں کہا جاسکتا ہے کہ اقبال کا کلام سعدی کا کلام جیسا ہے اور ان دونوں شعرا کے کلام میں خدا شناسی خاص اہمیت کی حامل ہے۔ اقبال ایک مرد مومن، ایک عظیم فلاسفر، ”ایک بے مثال شاعر“ ایک بہت بڑے حقیقت پسند اور حقیقت نواز اور جان پر سوز رکھنے کا درس دینے والے عظیم رہنما تھے۔ وہ معرفت الہی کے سلسلے میں سب سے زیادہ مولانا جلال الدین رومی کو پسند کرتے تھے، بلکہ انہیں اپنا پیر و مرشد تسلیم کرتے تھے۔

اقبال نے ایران کبھی نہیں دیکھا لیکن وہ ایران سے عشق کرتے تھے، فارسی زبان میں انھوں نے بیشتر شاعری کی اور ایرانی کلچر کی ہمیشہ تعریف کرتے رہے۔ علامہ اقبال کو فارسی زبان اور ایرانی لوگوں سے بے حد محبت تھی اور ان کی یہ محبت ان کی اردو شاعری سے ابھر کے سامنے آتی ہے۔ اقبال کو صرف فارسی شاعری سے محبت نہیں بلکہ ایران کا جو فلسفہ ہے اس سے بھی محبت تھی۔ ناقدین فن نے اقبال کی مجموعی فارسی شاعری کو ”سبک اقبال“ یا دبستان اقبال کا نام دیا ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں کہ برصغیر میں فارسی کے انحطاط کے دور میں ایک غیر فارسی زبان شاعر، ایک نیا دبستان شعر وجود میں لے آئے۔ اس امر کا خود ایرانیوں کو اعتراف ہے کہ اقبال، رودکی اور بابا طاہر اور فغانی شیرازی کے مانند، ایک نئے دبستان شعر کے بانی ہیں جسے ان کے نام کے ساتھ منسوب کیا جانا چاہیے۔ ان کا یہ سبک اردو اور فارسی دونوں میں، اور ہر صنف سخن میں، نمایاں ہے۔ اقبال کے فارسی شعر میں عرفی، فیضی، ظہوری، کلیم، صائب، بیدل اور غالب کے سبک کی بازگشت نہ ہونے کے برابر ہے۔ ان کے ہاں سنائی، عطار، رومی، عراقی، اوحدی مرانہ ای اور کمال نجدی کارنگ ملتا ہے۔ اقبال کے سبک شاعری کو سبک اقبال کا نام دینا مناسب ہے۔ اقبال کے ہاں سبک ہندی کے عناصر تقریباً مفقود ہیں۔ فارسی شاعری میں اقبال نے حیرت انگیز مہارت دکھائی اور اساتذہ کے رنگ میں انتہائی فصاحت و بلاغت کے ساتھ، دقیق و عمیق فلسفیانہ، صوفیانہ اخلاقی اور سائنسی مضامین بیان فرمائے ہیں۔ ان کی شاعری میں لغوی و معنوی دشواریوں یا الفاظ کے بے محل استعمال کی

مثالیں بمشکل ملیں گی۔ معانی کی بلندی کے ساتھ اقبال کے الفاظ بھی بلند ہیں۔ اگرچہ اقبال کا مقصد محض شاعری نہ تھا، وہ حقائق بیان کرنے پر زیادہ متوجہ رہے مگر ان کے کلام کو پڑھیں تو فکر و فن ہم سچ و ہم ردیف نظر آتے ہیں۔

کسی ایک سبک کی کوئی جامع و مانع تعریف پیش کرنا مشکل ہے۔ سبک اقبال کا بھی یہی حال ہے۔ علامہ کا اردو کلام ہو یا فارسی، اپنی انفرادیت کا بباگ دہل اعلان کرتا ہے مگر اس اعلان کو صاحبان ذوق اور ان کے کلام کی رسالت کو ذوق و طبع بلند اشخاص رکھنے والے ہی سن سکتے ہیں۔ فارسی زبان والے ممالک میں اقبال کی فارسی تصانیف کے کئی حصے ابتدائی جماعتوں کے نصاب میں شامل کیے جاسکتے ہیں۔ اقبال ایسے مفکر شاعر کے لیے سادہ سے سادہ اشعار کہنا، ایک قابلِ فخر بات ہے مجھے ان کے کلام کے مختلف حصے میں فرخی سیدستانی اور سعدی شیرازی کے کلام جیسی شانِ سہل ممتنع نظر آتی ہے۔ کیوں نہ ہو، آخر وہ شاعر تھے اور ماورائی شاعر بھی۔

اقبال نے برصغیر کے مسلمانوں کو بالخصوص اور جہانِ اسلام کو بالعموم آزادی کے لیے سینہ سپر کیا۔ یہی نہیں، انھوں نے دولت سے بے نیازی برتنے اور موت سے بے خوف رہنے کا موثر درس دیا۔ بیسویں صدی کے اوائل میں ایرانی شعرانے آزادی اور حقوقِ مشروط کے حصول کی خاطر بے باکانہ جدوجہد کی، اور ایمان پرور شعر کہے۔ اقبال نے بھی ان شعرانے کے اشعار کی تعریف کی ہے۔

اقبال کی بیشتر فارسی شاعری، صنفِ مثنوی میں ہے۔ ایک مثنوی گلشنِ رازِ جدید (مشمولہ زبورِ عجم) کے سوا جو شیخ محمود شبستری کی "گلشنِ راز" کے جواب میں اور اسی بحر میں ہے۔ ان کی دیگر تمام مثنویاں اسرارِ خودی، رموزِ بے خودی، جاوید نامہ، مسافر، پس چہ باید کرد اور بندگی نامہ (شامل زبورِ عجم) مولانا جلال الدین محمد رومی کی مثنوی شریف کی معروف بحر میں ہیں۔ مثنوی اسرارِ خودی کے بارے میں اقبال نے تصریح کی ہے کہ اسے لکھتے وقت انھوں نے مثنوی معنوی اور مثنوی بوعلی قلندر پانی پتی کے اسلوب کو پیش نظر رکھا ہے۔ اسرارِ خودی کی تمہید لکھنے میں انھوں نے ظہوری تشریحی کے معروف ساتی نامہ کی پیروی کا اعتراف کیا ہے۔

اس قسم کی پیروی کی توضیح اپنے مقام پر آئے گی مثنوی رموز بے خودی، پہلی مثنوی کا تکملہ ہے۔ ان دونوں مثنویوں میں اقبال نے رومی کی مثنوی اور دیوان کبیر، نیز بوعلی قلندر کی مثنوی اور عرفی و نظیری کے بعض اشعار نقل و تضمین کیے ہیں۔ اقبال کی دیگر مثنویوں میں بھی نقل اور تفسیر مینوں کی یہی حالت ہے۔ بعض مثنویوں میں انھوں نے اپنی یادگیر شعر کی غزلیں بھی نقل فرمائی ہیں۔ یہ انداز امیر خسرو یا عراقی وغیرہ کی مثنویوں میں نظر آتا ہے، مگر اقبال کے ہاں یہ جدت قابل توجہ ہے کہ انھوں نے دوسرے شعر کی غزلیں تضمین فرمائی ہیں۔ رومی نے سنائی و عطار وغیرہ کے چند شعر ضرور تضمین کیے، مگر حقیقت یہ ہے کہ اقبال کی جدتیں کئی اعتبار سے بے نظیر ہیں۔

اقبال کی فارسی شاعری کو اس لحاظ سے زیادہ اہمیت حاصل ہے کہ انہوں نے اپنے نظام فکر کو اس شیریں زبان میں زیادہ مرتب، مبسوط اور جامع انداز میں پیش کیا ہے اور فن کے اعتبار سے بھی جو تنوع ان کے فارسی کلام میں نظر آتا ہے اردو اس سے ایک حد تک محروم ہے۔ ان کے فلسفے کا محور و مرکز خودی ہے جس کے اثبات و استحکام کے بارے میں انہوں نے پہلی بار ”اسرار خودی“ کی صورت میں فارسی زبان میں ایک لائحہ عمل پیش کیا، اور اس میں ارشاد فرمایا کہ اگرچہ اردو کی مٹھاس میں کوئی شبہ نہیں مگر فارسی میں جو سیلابا پن ہے اردو اس سے محروم ہے۔ یوں بھی شاعر مشرق کے کلام کا بیشتر حصہ فارسی میں ہے۔

اقبال کا فارسی کلام نہ صرف ان کے فلسفہ حیات کی مکمل تفسیر ہے۔ بلکہ ان کے جمالیاتی ذوق کی بھی پوری طرح آئینہ داری کرتا ہے۔ یہ کہنا بھی غلط نہ ہو گا کہ بین الاقوامی سطح پر اقبال کا تعارف ان کی فارسی شاعری ہی کے ذریعے بھی میسر ہوا ہے۔

فردوسی یونیورسٹی میں اقبال شناسی

پاکستان کے خود ساختہ سائنس دان اور اسلامی اتحاد کے معمار علامہ محمد اقبال 21 اپریل 1938ء کو انتقال فرما گئے۔ لیکن ایران میں ان کے بارے میں فارسی زبان میں لکھی گئی پہلی کتاب (اقبال لاہوری) مجتبیٰ مینوی نے لکھی تھی جو علامہ اقبال کی وفات کے 11 سال بعد 1949ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایرانیوں کا اقبال سے تعارف یا دوسرے لفظوں میں اقبالیات، ایران میں تھوڑی تاخیر سے شروع ہوا۔ 1949ء وہی سال ہے جو مشہد یونیورسٹی اور آج کی فردوسی یونیورسٹی کا پہلا سنگ بنیاد مشہد میں نرسنگ اسکول کے قیام کے

ساتھ رکھا گیا تھا۔ اگر ہم ایران میں اقبالیات کے پہلے مراحل کو مرحوم مینوی کی کتاب کی اشاعت یعنی 1949ء کو جانیں تو فردوسی یونیورسٹی میں اقبالیات کی راہ کا پہلا قدم ڈاکٹر احمد علی رجائی بخارائی نے یغما میگزین میں، ایک اہم مقالہ "کیفیت تولد نظر" یہ خودی در درون اقبال و ریشہ ہا و اجزای آن" کی اشاعت کے ساتھ (1962ء) اٹھایا تھا۔

اس مقالے کی اشاعت کے بعد، رجائی نے اقبالیات کو اپنا ایک بنیادی مشغلہ بنا لیا اور اس کے بعد فیکٹی آف لٹریچر کے میگزین میں کئی مقالے شائع کیے گئے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ مشہد یونیورسٹی میں کبھی کبھی فارسی متون پر تحقیق کے بجائے اقبال کی تصانیف اور افکار پر تبادلہ خیال کرتے تھے۔ ساٹھ کی دہائی کے دوسرے نصف حصے میں، جب رجائی کو مشہد یونیورسٹی میں اقبال اور ان کے فلسفیانہ خیالات سے دلچسپی پیدا ہوئی تھی تو اس وقت یونیورسٹی میں تاریخ کے پروفیسر ڈاکٹر علی شریعتی، اقبال اور اسلامی اتحاد کے نظریے سے مستور ہوئے تھے۔ ان برسوں میں شریعتی نے محمد عبدہ اور سید جمال الدین اسد آبادی کے خیالات کی عکاسی کرتے ہوئے، ظلم اور اسلامی اتحاد کے قیام سے نکلنے کے لئے کوئی راہ تلاش کرنے کی کوشش کی اور ایک ایسی تحریک کی تشکیل کی جو عالم اسلامی کے اتحاد سے حاصل ہو سکے۔ اقبال پر مقالے اور کتابیں لکھنے سے پہلے شریعتی باقاعدگی سے تاریخ اسلام پڑھاتے تھے۔ نیز مختلف مواقع پر اپنی تقاریر میں اقبال کے نظریات کی طرف بھی اپنی توجہ کا اظہار کرتے تھے اور یہ وہ وقت تھا جب وہ مشہد میں پڑھا رہا تھا اور ابھی تک تہران میں جلاوطن نہیں ہوا تھا اور حسینہ ارشاد (تہران میں ایک ادارے کا نام) میں اپنا کام شروع نہیں کیا تھا۔ اس سے کئی سال پہلے یعنی مارچ 1953ء میں، جب انہوں نے خراسان اخبار کے ساتھ شاید پہلا ادبی تعاون شروع کیا تھا، علامہ اقبال کے بارے میں ان کی ایک خاص رائے تھی۔ اس اخبار میں "دنیا کی ممتاز شخصیات" کے بارے میں متعدد مضامین شائع کیے گئے جن میں "محمد اقبال" کے بارے میں ایک مضمون بھی شامل تھا جس میں شریعتی نے اقبال کو "انسان کامل" بتایا تھا اور مناسب اسلامی مکتب کے حصول کے لئے ان کے دو اہم نظریات "فکری تبدیلی" اور "متحرک تصوف سے لگاؤ" کی تعریف کی۔ اسی اخبار میں سید جمال کے بارے میں ایک اور مقالہ بھی شائع ہوا۔

اقبالیات کے شعبے میں اس یونیورسٹی کی دیگر سرگرمیوں میں اقبال کے لئے فیکٹی آف لٹریچر اینڈ ہیومینٹیز (تیرہویں سال کا تیسرا شمارہ، 1977ء) اقبال کے لئے ایک مضمون

مختص کرنا تھا جس کے بارے میں متعدد مضامین کے ساتھ محمد اقبال لاہوری کی 100 ویں برسی ان کی تصویر کے ساتھ منائی گئی تھی۔ انقلاب اسلامی ایران کے بعد یوم اقبال منانے کی روایت موجود تھی، خاص طور پر سنہ 1960ء کی دہائی میں، جب مرحوم ڈاکٹر محمد کاظم خواجویان کالج کے ڈین تھے۔ اقبال سے دلچسپی کی وجہ سے مشہد میں پاکستانی قونصل خانے کے تعاون اور شعبہ فارسی زبان و ادب کے قیام سے کئی سالوں تک اس کا انعقاد کیا گیا۔ کالج کے اساتذے کے علاوہ محترمہ آنماری سہیل، ڈاکٹر محمد اکرم شاہ، ڈاکٹر عبدالکریم سروش، محمد حسین ساکت اور متعدد دیگر شخصیات کو بھی لیکچر دینے کے لئے مدعو کیا گیا تھا۔ 9 نومبر 2010ء کو اس فیکلٹی کے فردوسی سائنسی سنٹر سے وابستہ اقبالیات سنٹر کا قیام جو پاکستان کے ساتھ یونیورسٹی تعاون کی شکل میں انجام دیا گیا تھا، انہی سرگرمیوں کا تسلسل سمجھا جاسکتا ہے جو چند دہائیوں قبل اس یونیورسٹی میں اقبالیات کے میدان میں شروع ہوا تھا۔ کانفرنسوں اور سیمیناروں میں شرکت کرتے ہوئے اس یونیورسٹی کے شعبہ فارسی زبان و ادب کے اساتذہ ڈاکٹر سید محمد علوی مقدم، ڈاکٹر محمد مہدی ناصح، ڈاکٹر حسین رزجو اور ڈاکٹر محمد جاوید صباغیان نے ایک یا کبھی دو ادوار کے لئے پاکستان کا سفر کیا۔ شریعتی نے مشہد یونیورسٹی میں چند سال تدریس کے بعد کسی وجہ سے 1971ء کے بعد اس یونیورسٹی میں نہیں پڑھایا اور تہران میں انہوں نے اپنی سائنسی اور سیاسی زندگی کا ایک اور مرحلہ شروع کیا۔ "اقبال، مصلح قرن اخیر" کے عنوان سے حسینہ ارشاد میں شریعتی کی تقریر نے انقلاب جیسے اسلام پر مبنی نظریاتی بنیاد کے قیام کے لئے اقبال جیسے لوگوں کے نظریات پر ان کے اعتقاد اور انحصار کی تصدیق کی۔

اقبال پر شریعتی کے لیکچر ز بعد میں "ما اقبال" کے عنوان سے ایک الگ کتاب میں شائع ہوئے۔ مشہد یونیورسٹی میں یوم اقبال ساٹھ کی دہائی سے منعقد کیا جاتا تھا اور زیادہ تر مشہد یونیورسٹی کے رازی ہال میں سائنسی لیکچر کے ساتھ اس موقع پر ایک تقریب کا انعقاد بھی کیا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر مرحوم ڈاکٹر غلام حسین یوسفی کا مقالہ "شاعر زندگی" کے عنوان سے جو مشہد یونیورسٹی کی فیکلٹی آف لٹریچر میں 1966ء کو بہار نمبر میں شائع ہوا تھا وہی تقریر ہے جو یوم اقبال (کیم مئی 1966ء) کے موقع پر اسی ہال میں پیش کی گئی تھی۔ ستر کی دہائی میں ڈاکٹر غلام حسین یوسفی شعبہ فارسی زبان و ادب کے سربراہ تھے اور ڈاکٹر یوسفی کی تجویز پر شعبوں کو کچھ کورسز کو شامل کرنے کا اختیار حاصل ہوا تھا، اس پروگرام میں "دوسرے ممالک میں ادب" کے عنوان سے ایک کورس بھی شامل کیا گیا تھا۔

حوالہ جات

- 1- جلال متینبی، اقبال و ایران، مجموعہ می نگریمومی رویم، تہران: نشر سخن، 1390 شمسی، 266
- 2- عبدالحسین زرین کوب، "اقبال شاعر شرق"، تہران: 1334 شمسی، 114
- 3- احمد سروش، کلیات اشعار فارسی اقبال، تہران: نشر سنایی، 1343 شمسی، 154
- 4- مجتبیٰ مینوی، اقبال لاہوری "شاعر پارسی گوی پاکستان"، بیغما، تہران، 1327 شمسی، 54